الحاج ابراہیم یوسف باوا صاحب رنگونی (برطانیہ)

دعوت اور عمل کا تلازم

عام طور پر یہ بات کہی جا رہی ہے کہ دینی مدارس قائم ہیں، علماء کرام تحریر و تقریر کے ذریعے مسلمانوں کو نصیحت فرما رہے ہیں، تبلیغی جماعت کے افراد دینی گشت و محنت کر رہے ہیں، اس کے باوجود خاطر خواہ نتیجہ نکل نہیں رہا ہے بلکہ عام طور سے مسلمانوں کی دینی حالت کمزور ہوتی چلی جا رہی ہے، اس کی وجہ اور علاج کیا ہے؟

اس کا جواب ایک جملہ میں دیا جا سکتا ہے کہ:۔

"آجکل کے واعظین اور مبلغین میں نہ تو اخلاص ہے اور نہ عمل! اور سامعین میں نہ طلب و تڑپ ہے اور نہ عمل کرنے کا شوق اور جذبہ"

اس لیے نہ کہنے والے کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے اور نہ سننے والے کو (اِلّا ماشاء اللہ) حالانکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (الذّٰریٰت ۵۱ : ۵۵)	اور سمجھاتے رہیئے کیونکہ سمجھانا ایمان والوں کو نفع دے گا۔ (مرج البحرین جلد ۲ صـ۷۸۲)

اللہ تعالیٰ کا فرمان یقینی اور قطعی ہوتا ہے، اس میں شک و شبہ کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں، قرآن کریم میں ادنیٰ شک کرنے والے کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے لیکن ہم دیکھ اور سن وہی رہے ہیں جو اوپر مذکور ہے۔ حقیقت اور مشاہدہ قرآن کریم کے الفاظ کے خلاف ہے، اس معاملہ کو سمجھنے کے لیے ایک واقعہ سناتا ہوں:۔

واقعہ یہ ہے کہ نہایت سردی کی ایک رات میں ایک صاحب بندہ کے مکان پر تشریف لائے اور انہوں نے وہی باتیں فرمائیں جو شروع میں درج کی گئیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کو سردی لگ رہی ہے؟ (وہ تعجب سے میرا منہ تکنے لگے کہ بات کا موضوع کیوں بدل گیا؟ اور) انہوں نے کہا کہ میں سمجھا نہیں! میں نے دوبارہ عرض کیا کہ آپ کو سردی لگ رہی ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، میں نے دریافت کیا کہ کیوں نہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ جو گرمانے والا ہیٹر لگا ہوا ہے، میں نے عرض کیا کہ بس یہی بات ہے، چونکہ اس وقت مکان سے باہر کا موسم نہایت سرد ہے لہٰذا گھر سے باہر قدم نکالتے ہی جو گرمی آپ یہاں گھر کے اندر محسوس کر رہے ہیں باہر کام نہ دے گی،

یہ معمولی سی گرمی جو آپ کے جسم و لباس تک محدود ہے، اس سے لوگوں کو تو کیا فائدہ پہنچتا چند سیکنڈ میں آپ خود بھی ٹھٹھرا جائیں گے۔ عین اسی طرح مساجد کے اندر ایمانی و روحانی ماحول ہوتا ہے، فرشتوں کی قربت نصیب ہوتی ہے، موت اور آخرت کا ذکر ہوتا ہے، دل و دماغ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں سے متاثر ہوتا ہے اور عمل کی طرف شوق و جذبہ پیدا ہوتا ہے اور چونکہ مساجد کے باہر کا ماحول نہایت پراگندہ اور ایمان سوز ہوتا ہے لہٰذا مسجد سے باہر قدم رکھتے ہی ہماری وہ حالت نہیں رہتی جو مسجد کے اندر رہتی ہے اور دینی باتوں کا اثر بہت جلد زائل ہوتا ہے۔

حضرت حنظلہؓ کا واقعہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابیؓ[1] حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلسِ مبارکہ میں حاضر تھے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وعظ فرمایا جس سے قلوب نرم ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اپنی حقیقت ہم پر ظاہر ہو گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھ کر میں گھر آیا، بیوی بچے پاس جمع ہو گئے اور کچھ دُنیا کا ذکر تذکرہ شروع ہو گیا اور بچوں کے ساتھ ہنسنا بولنا، بیوی کے ساتھ مذاق شروع ہو گیا اور وہ حالت جاتی رہی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ مبارکہ میں تھی، دفعۃً خیال آیا کہ میں پہلے کس حال میں تھا اور اب میں آکر کیا ہو گیا؟ میں نے اپنے دل میں کہا کہ تو تو منافق ہو گیا کہ ظاہر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تو وہ حال تھا اور اب گھر میں آکر یہ حالت ہو گئی، میں اس پر رنج و افسوس کرتا رہا اور یہ کہتا ہوا گھر سے باہر نکلا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا! سامنے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لا رہے تھے، میں نے اُن سے عرض کیا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا! وہ یہ سُنکر فرمانے لگے سبحان اللہ! یہ کیا کہہ رہے ہو؟ ہرگز نہیں، میں نے صورتحال بیان کی ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مبارکہ میں ہوتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوزخ اور جنت کا ذکر فرماتے ہیں تو ہم لوگ ایسے ہو جاتے ہیں گویا وہ دونوں (دوزخ و جنت) ہمارے سامنے ہیں اور جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آجاتے ہیں تو بیوی بچوں اور جائیداد وغیرہ کے دھندوں میں پھنس کر اُس کو بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ بات تو ہم کو بھی پیش آتی ہے، اس لیے دونوں حضرات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے

---

[1] حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ لفظ صحابی پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ صُحبت ہی سے بنا ہے۔ صحابی حضرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) وہی (بزرگ اور قابلِ احترام ہستیاں) ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت اختیار کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل کیا۔ (علم پر عمل کیوں نہیں ہوتا؟ جلد ۲۱ صـ۸)

اور حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو منافق ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا بات ہوئی؟ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی پوری بات سُنائی۔۔۔۔ تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:-

"اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تمہارا ہر وقت وہی حال رہے جیسا میرے سامنے ہوتا ہے تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور راستوں میں (تم سے) مصافحہ کرنے لگیں لیکن حنظلہ! بات یہ ہے کہ گاہے گاہے، گاہے گاہے"[1] (حکایاتِ صحابہ ص۳۶) ۱۲ر

ف:- معلوم ہُوا کہ انسان جس قدر زیادہ وقت نیک مجلسوں میں گذارے گا اور اخلاص وعمل کی نیت سے اللہ ورسول کی باتیں سُنے گا اس کی حالت سُدھرتی جائے گی اور دُنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی چلی جائے گی۔

حضرت مولانا شاہ محمد وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ:-

"علم کے لیے تعلیم کی ضرورت ہے اور عمل کے لیے تربیت کی ضرورت اور ان دونوں کے لیے صُحبت کی ضرورت ہے"۔ (معرفتِ حق) ۱۲ر

حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخلاص، طلب وتڑپ اور عمل کی نیت سے اللہ ورسول کی باتیں سُنتے تھے اس لیے نفع یہ پہنچا کہ اپنی حالت پر غور کرنے لگے کہ کہیں میں منافق تو نہیں ہوگیا؟ اور ہم باوجودیکہ بیسیوں با دینی مجالس میں بیٹھتے ہیں بلکہ دینی کاموں کے رُوحِ رواں کہلائے جاتے ہیں پھر بھی ہمیں کچھ نفع نہیں پہنچتا اس کی وجہ صرف اور صرف ایک ہی ہے کہ نہ واعظین ومُبلغین میں اخلاص اور عمل کا جذبہ ہے اور نہ سامعین میں۔

دعوت اور عمل کا جوڑ

دعوت وتبلیغ کا کام اور اس کے کام کرنے والوں میں عمل کا جوڑ نہایت ضروری ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دعوت وتبلیغ کا کام کرنے کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے پاک قلوب میں ترحّم کا زبردست جذبہ تھا، وہ چاہتے تھے کہ ہر ہر فرد وبشر کی نجات ہو اور اُن کا رشتہ اللہ ربّ العزت سے جُڑ جائے۔ اب کوئی شخص اس تڑپ وجذبہ کے ساتھ اس کام کو انبیاء کرامؑ کے پاک طریقوں اور صفات کے ساتھ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو کامیاب فرمائیں گے،

---

[1] بعض حضرات اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ جس قدر زیادہ نیک صحبت حاصل کرتے رہوگے تمہاری حالت بدلتی جائے گی۔ حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی مدظلہ نے یہ مطلب فرمایا کہ: تمہارے لیے کبھی یہ حالت بہتر ہے اور کبھی وہ۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ بندہ کو ہر وقت استحضارِ تام ہی حاصل رہے ورنہ عمارتِ دُنیا کے کام کون کرے؟ اس لیے بندہ کی توجہ کو دوسری طرف لگا دیتے ہیں تاکہ دُنیا کے کام بھی چلتے رہیں۔ (نیک صُحبت)

چاہے بظاہر ایک شخص بھی راہ ہدایت پر نہ آیا اور نہ آتا ہو، وہ اللہ تعالیٰ سے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو دیتے تھے۔

سب سے بڑی خوبی انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے یہ ہے کہ انسان اپنے اندر انبیاء کرام والی صفات پیدا کرے اور پھر لوگوں میں دعوت و تبلیغ کا کام کرے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یہی انبیاء کرام والی صفات کے ساتھ چلے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا پروانہ ملا۔ کامیابی اور قبولیت کا پروانہ حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے اندر انبیاء کرام اور صحابہ کرام والی صفات اور اعمال پیدا کریں۔

ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا کہ میں تبلیغ دین کا کام کرنا چاہتا ہوں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنا چاہتا ہوں، انہوں نے کہا کہ کیا تم اس مرتبہ پر پہنچ چکے ہو؟ اس نے کہا ہاں توقع تو ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ اگر تمہیں یہ اندیشہ نہ ہو کہ قرآن کی تین آیتیں رسوا کر دیں گی تو ضرور تبلیغ دین کا کام کرو، اس نے کہا وہ کونسی تین آیتیں ہیں؟ ابن عباسؓ نے فرمایا پہلی آیت یہ ہے: "اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (البقرہ) کیا تم لوگوں کو نیکی کا وعظ کہتے ہو اور اپنے کو بھول جاتے ہو"۔ ابن عباسؓ نے کہا کیا اس آیت پر اچھی طرح عمل کر لیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اور دوسری آیت: "لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ تم کیوں کہتے ہو وہ بات جس کو کرتے نہیں"؟ ہے تو نے اس پر اچھی طرح عمل کر لیا ہے؟ اس نے کہا نہیں — اور تیسری آیت وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَا اَنْهٰكُمْ عَنْهُ (سورۃ ہود) ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا، "جن بری باتوں سے میں تمہیں منع کرتا ہوں ان کو بڑھ کر خود کرنے لگوں، میری نیت یہ نہیں (بلکہ میں تو ان سے بہت دور رہوں گا تم میرے قول اور عمل میں تضاد نہ دیکھو گے)"۔ ابن عباسؓ نے پوچھا کہ اس آیت پر اچھی طرح عمل کر لیا ہے؟ اس نے کہا نہیں! فرمایا جاؤ پہلے اپنے کو نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو، یہ مبلغ کی پہلی منزل ہے۔ (الدعوۃ از راہ عمل)

بے عمل واعظ کی مذمت

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ، اس آیت میں خطاب اگرچہ علماء یہود سے ہے، ان کو ملامت کی جا رہی ہے کہ وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو یہ تلقین کرتے تھے کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرتے رہو اور دین اسلام پر قائم رہو (جو علامت ہے اس بات کی کہ علماء یہود دین اسلام کو یقینی طور پر حق سمجھتے تھے) مگر خود نفسانی خواہشات سے اتنے مغلوب تھے کہ اسلام قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ لیکن معنی کے اعتبار سے یہ ہر اس شخص کی مذمت ہے جو دوسروں کو تو نیکی اور بھلائی کی ترغیب دے مگر خود عمل نہ کرے، دوسروں کو خدا سے ڈرائے مگر خود نہ ڈرے، ایسے شخص کے بارے میں احادیث میں بڑی وعیدیں آئی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شب معراج میرا گذر کچھ لوگوں پر ہوا جن کے ہونٹ اور زبانیں آگ کی قینچیوں سے کترے جا رہے تھے،

میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جبریلؑ نے بتایا کہ یہ آپ کی اُمت کے دنیا دار واعظ ہیں جو لوگوں کو تو نیکی کا حکم کرتے تھے مگر اپنی خبر نہ لیتے تھے۔ (ابن کثیر)

ابن عساکرؒ نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعض جنتی بعض دوزخیوں کو آگ میں دیکھ کر پوچھیں گے کہ تم آگ میں کیونکر پہنچ گئے؟ حالانکہ ہم تو بخدا انہی نیک اعمال کی بدولت جنت میں داخل ہوئے ہیں جو ہم نے تم سے سیکھے تھے، اہلِ دوزخ کہیں گے "ہم زبان سے کہتے ضرور تھے لیکن خود عمل نہیں کرتے تھے (ابن کثیر — معارف القرآن جلد ۱ ص ۲۱۸)

ف: معلوم ہوا کہ دعوت اور عمل میں زبردست جوڑ ہے، دونوں لازم اور ملزوم کی طرح ہیں۔ دعوت عمل کے ساتھ مقناطیسی (MAGNETIC) پاور رکھتا ہے، جس طرح چراغ پر پروانے مرمٹتے ہیں اسی طرح باعمل تبلیغ کرنے والے پر انسان مرمٹتے ہیں اور اُن سے فیض حاصل کرنا اپنی خوش نصیبی سمجھتے ہیں۔ ہر انسان میں اپنی کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں جنہیں دور کرنے کا بہترین نسخہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ نے بتایا ہے کہ:۔

"جب مجھے اپنی کسی بُری عادت کا علم ہوتا ہے تو میں اس عادت کی مذمت اپنے مواعظ میں خاص طور سے بیان کرتا ہوں تاکہ وعظ کی برکت سے یہ عادت جاتی رہے" (معارف القرآن جلد ۱ ص ۲۱۹)

معلوم اور ثابت ہوا کہ مبلغ بننے سے پہلے اپنی حالت کو بدلنا ضروری ہے تاکہ اس کا اچھا اور گہرا اثر مخاطبین اور سامعین پر پڑے۔

اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیت شریفہ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ کا ذکر ہے، تفصیل ملاحظہ ہو:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (صف ۲،۳)	اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو منہ سے (وہ بات) جو نہیں کرتے، بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو۔ (معارف القرآن جلد ۷ ص ۲۱۹)

ف: تفسیر میں ہے کہ چند صحابہ کرامؓ نے آپس میں یہ مذاکرہ کیا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے تو ہم اس پر عمل کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مذاکرہ کا علم وحی کے ذریعہ ہوا تو آپ نے نام بنام صحابہ کو بلایا اور پوری سورۃ الصف پڑھ کر سنائی جو اس وقت نازل ہوئی۔ آیت شریفہ میں مَالَا تَفْعَلُوْنَ کا ظاہری معنیٰ تو یہ ہے کہ جو کام تمہیں کرنا نہیں ہے اس کا کیوں کہتے ہو؟ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام ایسے نہ تھے کہ دل میں کچھ کرنے کا ارادہ نہ ہو اور دعویٰ کریں۔ اس لیے اس کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ اگرچہ دل میں عزم و ارادہ کام کرنے کا ہو پھر بھی اپنے نفس پر بھروسہ

کرکے دعویٰ کرنا کہ ہم فلاں کام کریں گے شانِ عبدیت کے خلاف ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایسے کام کا دعویٰ کرنا جس کے کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو اور اس کو کرنا ہی نہ ہو، یہ تو گناہِ کبیرہ اور اللہ کی سخت ناراضگی کا سبب ہے، کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ کا مصداق یہی ہے...... رہا معاملہ دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت کا کہ جو کام آدمی خود نہیں کرتا اُس کی نصیحت دوسروں کو کرے اور اس کی طرف دوسرے مسلمانوں کو دعوت دے، وہ اس آیت کے مفہوم میں شامل تو نہیں، اس کے احکام دوسری آیت (سورۃ البقرہ ۲: ۴۴) میں مذکور ہیں، یعنی:-

"تم لوگوں کو تو نیک کام کا حکم کرتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھلا دیتے کہ خود اس نیکی پر عمل نہیں کرتے۔ اس آیت (اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ) نے امر بالمعروف اور وعظ و نصیحت کرنے والوں کو اس بات پر شرمندہ کیا ہے کہ لوگوں کو ایک نیک کام کی دعوت دو اور خود اس پر عمل نہ کرو، مقصد یہ ہے کہ جب دوسروں کو نصیحت کرتے ہو تو خود اپنے آپ کو نصیحت کرنا اُس سے مقدم ہے جس کام کی طرف لوگوں کو بُلاتے ہو، خود بھی اس پر عمل کرو۔"

(معارف القرآن ج ۷ ص ۴۲۴)

حدیث:- حضرت حرملہؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ مجھے کن باتوں پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تو نیکی پر عمل کر اور برائی سے بچ، اور دیکھ اگر تو یہ پسند کرتا ہے کہ لوگ مجلس سے تیرے اُٹھ کر چلے جانے کے بعد اچھے اوصاف سے یاد کریں تو تو اپنے اندر اچھے اوصاف پیدا کر، اور جن باتوں کو تو ناپسند کرتا ہے کہ تیری عدم موجودگی میں لوگ تیرے بارے میں کہیں تو تو اس سے پرہیز کر۔

ف:- مطلب یہ کہ آدمی چاہتا ہے کہ لوگ اچھے الفاظ سے اُسے یاد کریں تو اُسے ویسے ہی کام کرنے چاہئیں اور آدمی ناپسند کرتا ہے کہ لوگ بُرے اوصاف سے اُسے یاد کریں، تو ایسے اوصاف سے بچنا چاہیئے۔ (راہِ عمل)

نوٹ:- تبلیغ کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا محنت کا میدان یہ ہے کہ اپنی ذات کو بنائے جس سے خود اپنی ذات کو فائدہ ہوگا جو اوّل المقصد ہے، پھر جب وہ اپنی بنی ہوئی ذات سے چلے گا اور پھرے گا تو اس کا لامحالہ نفع اور اثر دوسروں کو بھی پہنچے گا۔ تاریکی میں کوئی شخص ٹارچ یا چراغ لیکر چلتا ہے تو اپنی ذات کے علاوہ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے جو اس کے ساتھ چلنے والے ہوتے ہیں۔ یہی کام آفتاب کا ہے کہ پورے نور اور آب و تاب کے ساتھ جب نکلتا ہے تو پوری دُنیا کو منور کرتا جاتا ہے۔

ماتحت لوگوں پر محنت کرنا

اپنی ذات کو انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اوصاف کی طرح بنانے کی سعی کے ساتھ ساتھ اپنے گھر والوں اور ماتحت افراد پر محنت کرے کہ یہ تبلیغ کی پہلی سیڑھی اور منزل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نبوت سے سرفراز فرمائے گئے اور آپ نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور آخرت کی طرف بلایا تو لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ اپنے کنبہ والوں کو تو کچھ کہتے نہیں اور لوگوں کو تبلیغ فرما رہے ہیں تو آیت شریفہ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ کے ذریعہ ارشادِ ربانی ہوا کہ آپ اپنے کنبہ والوں کو ڈرائیں۔ ایک تو گھر والوں کا پہلا حق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام بتایا اور سنایا جائے، دوسرا یہ کہ لوگوں کو اعتراض کرنے کا موقع نہیں ملے گا کہ فلاں صاحب اپنے گھر والوں کو تبلیغ نہ کر کے ہمیں تبلیغ کر رہے ہیں، تیسرا یہ کہ گھر والوں کا اللہ تعالیٰ سے رشتہ جڑنے کی وجہ سے لوگوں پر اس کے کہنے کا اچھا اور گہرا اثر پڑتا ہے، چوتھا یہ کہ تبلیغی کام کا تجربہ حاصل ہوتا ہے کہ لوگوں کی کس طرح تعلیم اور تربیت کی جاوے۔

اب اگر کوئی شخص گھر والوں کی اصلاح و تربیت نہ کر کے دوسروں کی فلاح و بہبود کے کاموں میں لگتا ہے تو ایسے شخص کو لوگ بہروپیہ اور منافق کہتے ہیں اور ایسے مبلغ کا لوگوں پر کوئی اثر بھی نہیں پڑتا۔ اگر کوئی مبلغ یوں کہے کہ میں تو گھر والوں کی اصلاح و تربیت کرنے کی سعی کرتا ہوں لیکن وہ مانتے نہیں، تو پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچے کہ آیا اس نے شروع ہی سے قرآن و حدیث کے تقاضوں کے مطابق اہلیہ اور عیال کی تربیت کی سعی کی ہے یا پانی سر سے گذر جانے کے بعد یہ الفاظ کہہ رہا ہے۔ بندہ کا تجربہ یہ ہے کہ شروع میں شریعتِ مطہرہ کے تقاضوں کے مطابق تو کچھ کرتے نہیں اور جب نافرمانیوں اور من چاہی زندگی گذارنے میں پکے ہو جاتے ہیں تو اپنے قصوروں اور غفلتوں پر پردہ ڈالنے کے لیے اہل و عیال پر بوجھ ڈال دیتے ہیں۔ اگر کوئی صاحب شریعت کے تقاضوں کے مطابق شروع ہی سے اپنے ماتحت لوگوں کی اِصلاح و تربیت کرتا ہے اس کے باوجود اہل و عیال اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں جرأت کر رہے ہیں تو پھر اہلِ ایمان و غیرت والے اپنے اہل و عیال سے جدائی اختیار کر لیتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل تبلیغ (حدیث ۴ کے ذیل) میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ ہر مبلغ کو چاہیئے کہ اس کو بار بار پڑھے اور عمل کرے۔ حضرت والا علیہ الرحمۃ نے اس سلسلے میں فضائل نماز کی حدیث ۳ کے ذیل میں اور فضائل قرآن مجید کی حدیث ۱۱ میں بھی تذکرہ فرمایا ہے۔

میں تبلیغی کام میں لگنے والوں کو پُرزور کہوں گا کہ آج کے دور میں سب سے زیادہ غفلت جو مبلغ حضرات سے ہو رہی ہے وہ یہی ہے کہ خود تو چلہ، تین چلہ، سال اور کم و بیش اوقات لگاتے پھرتے ہیں لیکن اپنی اولاد اور

ماتحت افراد کی فکر نہیں کرتے ۔ یہ تو ایسا ہوا جیسا کہ اپنے گھروں میں جہنم کی آگ بھڑکا کر دوسروں کے گھروں کی چنگاری بجھانے چلے ۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ۔

"بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر شخص اپنی فکر میں لگے اور اپنے (اور اپنے ماتحت افراد) کی اصلاح کرے ۔ آجکل یہ مرض عام ہو گیا ہے، عوام میں بھی (اور) خواص میں بھی کہ دوسروں کی تو اصلاح کی فکر ہے اور اپنی خبر نہیں، دوسروں کی جوتیوں کی خاطر اپنی گٹھڑی اٹھوا دینا کیسی حماقت ہے!!" (ماہنامہ الخیر ۹-۳-۸)

نجات کے لیے صرف اپنے عمل کی اصلاح کافی نہیں بلکہ دوسرے مسلمانوں کی فکر بھی ضروری ہے

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ سورۃ والعصر (اس سورۃ) نے مسلمانوں کو ایک بڑی ہدایت یہ دی کہ ان کا صرف اپنے عمل کو قرآن و سنت کے تابع کرلینا جتنا اہم اور ضروری ہے اتنا ہی اہم یہ ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی ایمان اور عملِ صالح کی طرف بلانے کی مقدور بھر کوشش کرے ورنہ صرف اپنا عمل نجات کے لیے [illegible]لی نہ ہوگا، خصوصاً اپنے اہل و عیال اور احباب و متعلقین کے اعمالِ سیئہ سے غفلت برتنا اپنی نجات کا راستہ بند کرنا ہے اگرچہ وہ خود کیسے ہی اعمالِ صالح کا پابند ہو ۔ اسی لیے قرآن و حدیث میں ہر مسلمان پر بھی اپنی مقدرت کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کیا گیا ہے ۔ اس معاملے میں عام مسلمان بلکہ بہت سے خواص تک غفلت میں مبتلا ہیں، خود عمل کرنے کو کافی سمجھ بیٹھے ہیں، اولاد و عیال کچھ بھی کرتے رہیں اس کی فکر نہیں کرتے ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس آیت کی ہدایت پر عمل کی توفیق نصیب فرماویں ۔ (آمین ثم آمین)

بقیہ : جبلِ .....

اردو ترجمہ شائع کیا ہے ۔ آپ اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مترجم منجد کی اشاعت تجارتی بناء پر ہوئی ہے (الحق اگست صـ۳) نہ کہ علمی بناء پر کبھی بڑے بڑے مفسرین کی طرف تسامح کی نسبت کرتے ہیں اس قسم کی تحریریں آپ جیسے صاحب علم کو زیب نہیں دیتیں ۔

بے شک علمی تحقیق میں دن رات منہمک رہیں لیکن السابقون الاولون الفائقون فی العلوم والخیرات پر اعتماد ضروری ہے آپ اپنے موقف میں جن علماء کرام کے اقوال پیش کرتے ہیں ان پر آپ کو اعتماد ہی تو ہے ۔ اس لیے تو بار بار ان کا ذکر کرتے ہیں لیکن آپ کے موقف کے خلاف جب ان کی بات جاتی ہے تو پھر ان کی طرف تسامح کی نسبت بھی جائز ہوتی ہے اور بدظنی بھی ۔